صوفی تبسم اور اقبال شناسی

صوفی گلزار احمد

صوفی تبسم مرحوم کی شخصیت برِصغیر پاک و ہند میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ۔ پاکستان کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں اُن کے شاگرد ہزارہا کی تعداد میں موجود نہ ہوں ۔ وہ علم و ادب کا گہوارہ تھے ۔ علم و ادب کی کوئی محفل اُن کے بغیر مکمل نہ ہوتی تھی ۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے :

وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہے

صوفی تبسم وہ دل نواز اور باغ و بہار شخصیت تھی جو ہر فرد کے دل کو گداز کر دیتی تھی ۔ وہ ایک عظیم شاعر ، بہت بڑے ادیب اور نقاد تھے — سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ بہت بڑے معلم تھے ۔ اُنھوں نے اپنی زندگی میں دو تین نسلوں کی تربیت کی تھی ۔ اُن کی شخصیت ایک پورے ثقافتی دور کی نمائندہ تھی — ایک ایسا ثقافتی دور جس میں علامہ اقبال ، پطرس بخاری ، مولانا عبدالمجید سالک ، ڈاکٹر تاثیر جیسی عظیم شخصیتیں نمایاں ہیں ۔ وہ علامہ اقبال سے بہت عقیدت رکھتے تھے ۔ وہ اُن کے پرستار اور شیدائی تھے ۔ اُنھوں نے علامہ اقبال کی شاعری اور پیغام سے بخوبی استفادہ کیا اور اس طرح اپنے خیالات کو جِلا بخشی ۔ وہ بچپن سے ہی علامہ اقبال کے بہت بڑے مداح تھے ۔ جب علامہ اقبال کی کوئی نظم اخبار یا رسالے میں چھپتی تو وہ اُسے دلچسپی سے پڑھتے اور اپنے ادبی ذوق کی تسکین کرتے تھے ۔

اگر صوفی صاحب کی شخصیت پر غور کیا جائے اور بچپن سے اُن کی علمی ادبی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات خود بخود عیاں ہو جاتی

ہے کہ صوفی صاحب کو بچپن سے علامہ اقبال کے کلام کو پڑھنے اور اس پر غور و فکر کرنے کا موقع ہی نہیں ملا بلکہ وہ وقتاً فوقتاً علامہ اقبال کی صحبتوں سے فیض یاب ہوتے رہے ۔ وہ اپنی آخری کتاب ''یادداشتیں'' ، جو اقبال اکادمی کی زیر نگرانی زیرِ طبع ہے ، میں لکھتے ہیں :

''ان شرکتوں کے نقوش میرے ذہن میں محفوظ نہیں رہے ۔ سب سے پہلے جلسے کی کیفیت جس کا مجھے ہوش ہے ۱۹۱۱ کا جلسہ تھا جس میں میں نے پہلے پہل علامہ اقبال کو دیکھا ۔

''یہ اجلاس اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور کے پیچھے کے میدان میں منعقد ہوا تھا ۔ یہ انجمنِ حمایتِ اسلام کا چھبیسواں سالانہ اجلاس تھا ۔ یہ بات مجھے ابھی تک یاد ہے کہ اس اجلاس کی پوری کارروائی چھپ کر آئی تھی اور میرے ابا نے مجھے پڑھنے کے لیے دی تھی ۔

''مجھے یاد ہے کہ ہم لوگ میدان میں دری پر بیٹھے تھے ۔ دور سٹیج تھا جس پر بہت سی بزرگ ہستیاں تھیں جو باری باری اُٹھ کر آتیں ، یا شعر پڑھتیں یا کبھی کبھی کوئی بحث سی بھی ہوتی ۔ شعر پڑھنے والوں میں اقبال بھی تھے ۔ اُنھوں نے اپنی نظم شکوہ پڑھی'' ۔

اسی کتاب میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

''اُن کے شعر پڑھنے کا انداز انوکھا تھا ۔ اُن کے ہاتھ میں اشعار کے کاغذ تھے ۔ وہ دوسرا ہاتھ اُٹھا کر شعر کو بلند آواز سے پڑھتے جس میں ایک خاص طرح کی دلکشی تھی'' ۔

یہ تھے صوفی صاحب مرحوم کے علامہ اقبال کے بارے میں ابتدائی نقوش جو اُن کے ذہن پر ثبت تھے ۔ صوفی صاحب خود فرماتے ہیں کہ یہ باتیں ان کے انتہائی بچپن کی ہیں ۔ صوفی صاحب نے جن مشہور و معروف اساتذہ سے کسبِ فیض کیا اُن میں مولانا محمد حسین عرشی ، فیروز الدین طغرائی امرتسری جو طبیب تھے اور اپنے وقت کے مستند شاعر تسلیم کیے جاتے تھے ، شامل ہیں ۔ مولانا محمد حسین عرشی امرتسری ہمارے دادا کی دکان کے سامنے زرگری کی دکان کیا کرتے تھے ، لیکن علمی شغف نے انھیں تمام زندگی علم و ادب کی طرف مائل کیے رکھا ۔ مولانا محمد حسین

عرشی[1] ابھی تک ماشاء اللہ اچھی صحت اور توانائی کے مالک ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اُن کی عمر دراز کرے اور اُن کے قلم میں اور زور پیدا کرے ! ایک ماہ کا عرصہ گزرا میری اُن کی ملاقات نسبت روڈ چوک پر واقع اُن کے مکان "دار القرآن" پر ہوئی اور دو تین گھنٹے ہم ضروری اور اہم علمی مسائل پر گفتگو کرتے رہے ۔ دورانِ گفتگو علامہ اقبال اور صوفی صاحب مرحوم کا تذکرہ بھی چھڑا اور بحث طول پکڑ گئی ۔ عرشی صاحب صوفی صاحب مرحوم ، فیروز الدین طغرائی امرتسری اور علامہ اقبال کا تذکرہ بڑے دلچسپ انداز اور لطف لے کر سناتے رہے اور میں برابر اُن کی گفتگو سے محظوظ ہوتا رہا ۔ اُن کی باتیں سن کر پھر پرانے دنوں کی یادیں تازہ ہو گئیں اور میں اُن کے درمیان یوں محسوس کرنے لگا جیسے اسی عہد کے علما و فضلا اور شعرائے کرام کی صف میں بیٹھا ہوں ۔

مولانا محمد حسین عرشی صاحب نے باتوں باتوں میں مجھے یہ بھی بتایا کہ صوفی صاحب حکیم فیروز الدین طغرائی کے تلامذہ میں سے ضرور تھے لیکن اُن کا تخلص تبسم انھوں نے تجویز کیا تھا ۔[2] مولانا محمد حسین عرشی صاحب نے مجھے یہ بھی بتایا کہ دراصل صوفی صاحب مرحوم اور غلام محمد مرحوم دونوں شاگردی کے لیے ان کے پاس آئے لیکن انھوں نے حکیم فیروز الدین طغرائی مرحوم کی تعظیم کی خاطر انھیں حکیم صاحب کی طرف منتقل کر دیا اور غلام محمد مرحوم کا تخلص ترنم بھی عرشی صاحب نے تجویز کیا تھا ۔ حکیم فیروز الدین طغرائی کا کلیات جو "کلیاتِ طغرائی" کے نام سے مشہور ہے صوفی صاحب نے ہی طبع کرایا تھا ۔ صوفی صاحب اپنے اُستاد کی بہت تعظیم کرتے تھے ۔ حکیم طغرائی صاحب کی فوٹو ابھی تک گھر کے ڈرائنگ روم کی زینت ہے ۔

۱۔ جو اس وقت زندہ ہیں اور کوئی چھیاسی سال کے لگ بھگ عمر رکھتے ہیں ، صوفی صاحب مرحوم کی طرح ایک پورے ثقافتی دور کے نمائندے ہیں ۔

۲۔ صوفی صاحب مرحوم پہلے اصغر صہبائی تخلص کرتے تھے لیکن عرشی صاحب نے اُن کا تخلص تبسم رکھا جو اُن کی متبسم شخصیت سے عین مطابقت رکھتا تھا ۔

صوفی صاحب اور علامہ اقبال کے ضمن میں مولانا محمد حسین عرشی کا تذکرہ اس لیے بھی ناگزیر ہے کہ علامہ اقبال[۳] سے مولانا کی وقتاً فوقتاً ملاقاتیں صوفی تبسم کی وساطت سے ہوتی رہیں اور ان ملاقاتوں کا سلسلہ کافی عرصے تک قائم رہا ۔ صوفی صاحب مرحوم علامہ اقبال کے ہاں جب بھی جاتے تو مولانا محمد حسین عرشی کا ذکر چھڑ جاتا ۔ مولانا محمد حسین عرشی کی عمر اُس وقت پچیس سال کے لگ بھگ تھی ۔ یہ شرف غالباً عرشی صاحب ہی کو حاصل ہے کہ علامہ اقبال نے اُن کو اپنے کلام میں مخاطب فرمایا ۔ پہلے پہل عرشی صاحب کی علامہ اقبال سے قلمی ملاقات ہوئی ، اس کے بعد یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا ۔

ایک دفعہ مولانا محمد حسین عرشی علامہ اقبال کے فرمودات سے مطمئن نہ ہو سکے ۔ ان کا استفسار صوفی تبسم صاحب کے ذریعے علامہ اقبال تک پہنچا ۔ انھوں نے اس کی تشریح فرمائی جو صوفی صاحب نے عرشی صاحب تک پہنچا دی ۔ اس پر بھی عرشی صاحب نے تسلی نہ پائی ۔ یہ بات بھی علامہ اقبال تک پہنچائی گئی ۔ اس طرح دو تین مرتبہ سوال و جواب ہوئے ۔ آخر صوفی صاحب نے کہا کہ بالمشافہ گفتگو ہو جائے تو بات صاف ہو جائے ۔ اس کے بعد عرشی صاحب امرتسر سے لاہور آئے اور حسبِ معمول صوفی صاحب کے مکان واقع ذیلدار روڈ میں قیام کیا ۔ وہاں سے چند احباب کے ہمراہ علامہ کی خدمت میں میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں حاضر ہوئے ۔ علامہ صاحب کے ساتھ حلاج کے بارے میں بڑی گرما گرم بحث ہوئی ۔ چنانچہ یہ ملاقات اُن کی اہم ملاقاتوں میں سے ایک ہے ۔

علامہ اقبال اپنے ایک مکتوب بنام صوفی تبسم میں تحریر فرماتے ہیں :

''مجھ کو اُن کے خیالات سے کسی حد تک پہلے بھی آگاہی ہے ۔ کیا اچھا ہو کہ وہ شریعتِ محمدیہ پر ایک مبسوط کتاب تحریر فرمائیں جس میں عبادات و معاملات کے متعلق صرف قرآن سے استدلال کیا گیا ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ہندوستان میں تو شاید اس کے مقبول ہونے کے لیے مدت درکار ہے ، ہاں

۳۔ صوفی صاحب کے علاوہ حکیم طالب علی کے ہمراہ بھی علامہ اقبال سے ملاقاتیں ہوئیں ۔

دوسرے ممالک میں ان کی ضرورت کا احساس ہر روز بڑھ رہا ہے ۔''[۴]

صوفی صاحب تنہا بھی ڈاکٹر صاحب سے ملاقاتیں کرتے رہے اور اس کے علاوہ اپنے شاگردوں اور دوست احباب کے ساتھ بھی ڈاکٹر صاحب سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا ۔ چنانچہ ایک ملاقات میں اُن کے شاگرد رشید طارق[۵] جو اُن کے ہمراہ تھے ، اپنی اس ملاقات کا ذکر یوں کرتے ہیں :

''پچھلی گرمیوں میں ایک روز شام کے وقت میں اور صوفی تبسم نے علامہ اقبال صاحب کے یہاں چلنے کی ٹھانی ۔ ایک اور صاحب بھی موجود تھے ۔ انھوں نے بھی رفاقت کی خواہش ظاہر کی ۔ وہ سائیکل پر تھے ، ہم تانگے میں ۔ لہٰذا وہ ہم سے آگے نکل گئے ۔ جب ہم جاوید منزل پہنچے تو ڈاکٹر صاحب پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے اور یہ صاحب پاس بیٹھے ہوئے تھے ۔ ڈاکٹر صاحب بہت برہم نظر آتے تھے ۔ میں نے اس سے قبل انھیں برہمی اور غیظ کی حالت میں صرف ایک مرتبہ دیکھا تھا اور وہ بھی جب ایک نوجوان مرزائی مبلغ کو اُنھوں نے دھکے دے کر اپنی کوٹھی واقع میکلوڈ روڈ سے نکال دیا تھا ، لیکن موجودہ کیفیت اس سے قدرے مختلف تھی ۔ اس میں افسوس کا عنصر غالب تھا ۔ ہم ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ صوفی صاحب کو کہنے لگے :

Sufi, who is this young man ?

صوفی ، یہ نوجوان کون ہے ؟ ہمیں حیرت ہوئی کہ الٰہی کیا ماجرا ہے ۔ چنانچہ نہ تو صوفی صاحب جواب دے سکے اور نہ ہی کوئی اور ۔ اس لیے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ فرمانے لگے :

He comes here and asks : Dr Sahib, what is your opinion aboutPsychology ? Now what opinion can I give him about Psychology ?

''دیکھیے نا یہ مجھ سے آ کر پوچھتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب آپ کی نفسیات

۴۔ شیخ عطاء اللہ ، مرتب ، ''اقبال نامہ'' ، ۱/۴۸ - ۴۹ ۔

۵۔ کتاب ''ملفوظات'' میں رشید طارق صاحب اپنے مضمون ''مئے شبانہ'' میں اس ملاقات کا ذکر کرتے ہیں ۔

کی بابت کیا رائے ہے ؟ آپ ہی کہیے میں نفسیات کی بابت کیا رائے دوں ۔
''ہمیں اک گونہ تسلی ہوئی کہ خیر معاملہ اتنا نازک نہیں لیکن ڈاکٹر صاحب کے بشرے اور لہجے سے ظاہر تھا کہ انھیں اس سے کافی تکلیف ہوئی ہے ۔''

ایک ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

ایک روز جب کہ میں ، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم ، بدر الدین بدر اور پنجابی کے مشہور شاعر بابو کرم اور سراج الدین نظامی صاحب اور دو ایک اور دوست ان کے پاس بیٹھے تھے تو کانگرس اور مسلم لیگ کا تذکرہ چھڑا ۔ نئے انڈیا ایکٹ کے نفاذ کی آمد آمد تھی اور کوششیں ہو رہی تھیں کہ مسلمانوں کو کانگرس میں شامل کیا جائے ۔ ہم سے کسی نے کہا کہ پنڈت جواہر لعل نہرو اچھے خاصے مخلص کارکن ہیں اور دل سے خواہاں ہیں کہ مسلمان بھی کانگرس کے دوش بدوش جہادِ حریت میں شریک ہوں ۔ آپ فرمائیے کہ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے ۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا : ہاں جواہر لعل مخلص ہیں مگر کانگرس ساری مخلص نہیں ، وہ خالص ہندوؤں کی جماعت ہے ۔ اس لیے ہر حال میں انھی کے حقوق اور مفاد کو مدِنظر رکھتی ہے ۔
''اس ملاقات میں صوفی صاحب نے بابو کرم کا تعارف کروایا ۔ بابو کرم نے اپنی چند پنجابی نظمیں سنائیں جو ڈاکٹر صاحب نے پسند فرمائیں ۔ کہنے لگے : بابو صاحب ، آپ کی پنجابی زبان بڑی ستھری اور ٹھیٹ ہے ۔ اگر مولانائے روم کی مثنوی کی کچھ حکایات خالص پنجابی میں منتقل کرنے کی کوشش کریں تو ضرور کامیاب ہوں گے ۔ صوفی صاحب آپ کو موزوں حکایات بتا سکتے ہیں ۔ یہ فارسی اور پنجابی دونوں زبانوں کی خدمت ہوگی ۔ انھوں نے ایسا کرنے کا وعدہ کیا ۔ ڈاکٹر صاحب کہنے لگے کہ پنجابی نظم میں تصوّف کے بڑے بڑے ذخیرے پنہاں ہیں خصوصاً فرید کے دوہے ۔ فارسی کے بعد شاید یہ دوسری زبان ہے جو تصوّف سے مملو ہے ۔
''اس روز سراج الدین نظامی[۶] کو ہم اس لیے ہمراہ لے گئے تھے کہ

۶۔ سراج الدین نظامی بہت بڑے موسیقار تھے ۔ انھیں یہ ملکہ فطرتاً ودیعت ہوا تھا ۔ آواز میں بہت درد اور سوز تھا ۔ چند سال پیشتر اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں ۔

ڈاکٹر صاحب کو اُن کا کلام سنائیں ۔ چنانچہ جب ڈاکٹر صاحب سے اجازت لی گئی تو وہ خوب فرما کر تکیے پر آدھا لیٹ کر بالوں میں اُنگلیاں پھیرنے لگے ۔ نظامی صاحب نے دبی زبان میں پہلے لَے کو دوہرایا اور پھر 'بالِ جبریل' سے وہ غزل گائی جس کا مطلع ہے :

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

''سراج الدین نظامی کی آواز بڑی میٹھی اور رسیلی ہے ۔ کسی ساز کی ہم آہنگی کے بغیر بھی سننے والے پر اک کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور پھر جب اقبال کے کلام کو موسیقی کے پردوں میں نظر بند کیا جائے تو یہ کیفیت اور بھی موثر اور دیرپا ہو جاتی ہے ۔

''ڈاکٹر صاحب کافی محظوظ ہوئے اس لیے کہ تھوڑی دیر کے بعد فرمانے لگے ، بھئی کوئی فارسی کی غزل یاد ہے تو سناؤ ، جس پر نظامی صاحب نے 'زبورِ عجم ، میں سے وہ غزل سنائی جس کا مطلع یہ ہے :

آشنا ہر خار را از قصۂ ما ساختی
در بیابانِ جنوں بُردی و رسوا ساختی

''ڈاکٹر صاحب اور سننے کے تمنائی تھے ، لیکن نظامی صاحب کو صرف یہی غزل از بر تھی ، لہٰذا وعدہ کیا کہ کچھ دنوں تک فارسی کی چند غزلیں یاد کر کے حاضرِ خدمت ہوں گا ۔''

اسی مضمون ''مئے شبانہ'' میں رشید طارق صاحب ایک اور ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''۲۳ مئی ۱۹۳۵ کو اپنی خواہش سے مجبور ہو کر میں اور صوفی صاحب شام کے کوئی چھ بجے جاوید منزل پہنچے ۔ ڈاکٹر صاحب کو نئی کوٹھی میں سکونت پذیر ہوئے بمشکل آٹھ دن ہوئے ہوں گے ۔ ہم مبارکباد عرض کرنے گئے تھے ۔ علی بخش نے ہمیں پورچ میں سے دیکھا اور آگے بڑھ کر پوچھنے لگا ، آپ اتنی جلدی کیسے آ گئے ہیں ، کیا آپ کو اطلاع مل گئی ہے ؟ ہمیں سراپا استفسار پا کر علی بخش سمجھ گیا اور کہنے لگا کہ جاوید کی والدہ ابھی ابھی رحلت کر گئی ہیں ۔ ہمارے دل پر جو گزری وہ محتاجِ بیان نہیں ۔ ہم دونوں آہستہ آہستہ آگے بڑھے ۔ درمیانی کمرے میں داخل ہوئے تو دیکھا ڈاکٹر صاحب دائیں جانب طعام گاہ کے قریب سر جھکائے بیٹھے تھے ۔ ہمارے سلام کی آواز سن کر اُنھوں نے

سر اُٹھایا اور ہمیں پہچان کر کہا ، اچھا ہوا آپ آ گئے ، میں بالکل اکیلا تھا ۔ اُن کی آواز دھیمی تھی مگر پُرسکون تھی ۔ چہرہ اُداس اور مغموم تھا لیکن اس کے باوجود صبر و شکیب کا حامل تھا ۔ اس پر اشک آفرینی اور آہ و بکا کا کوئی اثر پیدا نہ تھا جو کہ انسانی کمزوری کا خاصہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔''

''تقاریرِ یومِ اقبال'' کا ایک کتابچہ ۲۱ اپریل ۱۹۵۴ کو بزمِ اقبال کلب روڈ کی زیرِ نگرانی شائع ہوا ۔ اس میں صوفی صاحب مرحوم کا علامہ اقبال پر بڑا ٹھوس اور مبسوط مضمون قلم بند ہے ۔ عنوان ہے ''اُردو ادب میں اقبال کی شاعری کا حصہ'' ۔ مضمون کے شروع میں فرماتے ہیں :

''اقبال کے فلسفیانہ خیالات و افکار میں اتنی یک جہتی ، شوکت اور عظمت پائی جاتی ہے کہ ہم بسا اوقات اُن کے شاعرانہ کمالات کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اُن کے افکار میں تنومندی اور دل پسندی کے جو عناصر ہیں وہ بیشتر اُن کی شاعری ہی کے ممنونِ احسان ہیں ۔ کتنے لوگ ہیں جنھوں نے اُن کی تصنیف 'تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ' کو اُسی ذوق و شوق سے پڑھا ہے جس ذوق و شوق سے وہ اُن کے اُردو یا فارسی کلام کو پڑھتے ہیں اور لذت اندوز ہوتے ہیں ؟

''اس مختصر سی صحبت میں اقبال کی اُردو شاعری کا کوئی تفصیلی تنقیدی جائزہ لینا مقصود نہیں ۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ حضرات کی توجہ اُن چند بنیادی امور کی طرف منعطف کراؤں جو ہمارے ادبی ارتقا کے نہایت اہم مسائل ہیں اور جن میں اقبال کی شاعری سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے ۔''

اس کے بعد مضمون میں ایک اور جگہ رقم طراز ہیں :

''اقبال کی شاعری اُردو ادب و شعر کی 'قومی تحریکات' کے سلسلے میں ایک اہم کڑی ہے ۔ اس میں ہمیں قوم اور وطن کے صحیح تصوّر کا پتا چلتا ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ اقبال کی قومی شاعری میں تین بڑے دور ہیں ۔ پہلا دور وطنیت کا دور ہے ، دوسرا ہمہ وطنیت اور تیسرا عالمِ انسانیت کا دور ہے ۔ شاعر وطن کے محدود دائرے سے نکل کر وسیع دنیا پر نظر ڈالتا ہے ۔ اس منزل میں عالمگیر اخوتِ اسلامی کا مقام بھی آتا ہے ، مگر

وہ آگے بڑھ جاتا ہے ۔ اس کے دل میں عالمگیر مساواتِ انسانی کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے ۔ اقبال پہلے روئے زمین کے مسلمانوں کو خطاب کرتا ہے اور پھر عام بنی نوعِ انسان سے مخاطب ہوتا دکھائی دیتا ہے ، یہ مقام اس کی شاعری کی آخری کڑی ہے ۔"

ایک اور جگہ اقبال کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"اقبال کی شاعری کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ اُس نے فقط زندگی کو شاعری اور شاعری کو زندگی سے وابستہ ہی نہیں کیا ، بلکہ زندگی کے تصور کو بھی، خواہ وہ فرد کی زندگی ہو یا قوم کی ، بلند تر کر دیا ہے ۔ اس کا پیغام پیغامِ حیات ہے جو فرد اور اقوام کی زندگی سے وابستہ ہے۔ اس میں وہ انسان کی عظمت کو بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ انسان کی عظمت اس کے دنیاوی مرتبے ، حیثیت ، قومی وقار ، وطنی نسبت یا نسل و رنگ کی وجہ سے نہیں ، بلکہ اس کی فطرت کی بلندی کی وجہ سے ہے ۔ انسان میں عقل و دل کی کشمکش جاری ہے ۔ ایک طرف اس کا ذاتی نفع اور نقصان ہوتا ہے اور دوسری طرف کسی بلند تر مقصد کے حصول کا خیال اور جذبہ ۔ یہ جذبہ ذوقِ یقین سے مستحکم ہوتا ہے ۔ پھر وہ کچھ کر دکھاتا ہے کہ عام دنیاوی مسائل اور اسباب سے ممکن نہیں ۔ اس بلند تر مقصد اور نصب العین سے انسانی شخصیت کی تکمیل ہوتی ہے ۔"

یہ تھے اس مضمون سے چند اقتباسات ۔ علامہ اقبال کی زندگی میں جو یومِ اقبال منایا گیا ، اس میں بھی صوفی صاحب مرحوم نے علامہ اقبال کی شاعری اور اُن کے افکار پر ایک مبسوط مضمون پڑھا ۔

صوفی صاحب مرحوم کو آخر وقت تک علامہ اقبال سے قرب حاصل رہا اور اُن کے خیالات اور نظریات سے متفیض ہونے کا موقع ملتا رہا ۔ علامہ کو بھی صوفی صاحب کے ساتھ بڑی عقیدت اور محبت تھی اور بعض اوقات تو یہ حالت ہوتی کہ صوفی صاحب کو اپنی مصروفیات کی بنا پر علامہ صاحب سے ملے ہوئے کچھ عرصہ گزر جاتا تو علامہ فوراً پیغام بھیجتے اور انھیں بلا لیتے ۔

صوفی تبسم مرحوم نے علامہ اقبال کی شاعری ، فلسفے اور پیغام پر مضامین اور تنقیدی مقالات ہی نہیں لکھے بلکہ اُنھوں نے علامہ کے

اشعار کی ایسی شرحیں لکھیں جن سے علامہ کا فلسفہ ، پیغام اور اُن کی شاعری کی مرکزیت اُجاگر ہوتی ہے ۔ اُنھوں نے علامہ کے رموز و علامات ، اشارات و کنایات ، تلمیحات ، تشبیہات و استعارات کو اپنی تشریحوں میں اس خوبی سے سمویا ہے جیسے کہ وہ کسی مبتدی کو سمجھا رہے ہوں ۔ یہی اُن کا سب سے بڑا کمال ہے ۔ اقبال کے شائقین نے صوفی صاحب کے قیمتی خیالات اور افکار سے جس قدر استفادہ کیا ہے اور کسی کی ذات گرامی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ۔ یہ کام اگرچہ نہایت کٹھن تھا لیکن صوفی صاحب نے یہ کام نہایت آسان کر دکھایا اور اس میں کامیابی حاصل کی ۔ اس میدان میں اوّل قدم رکھنے کا سہرا صوفی صاحب کے سر ہے ۔ علامہ کے اشعار کی تشریح بعنوان ''اقبال کا شعر'' ریڈیو پاکستان لاہور سے پندرہ سولہ سال تک نشر ہوتا رہا اور علامہ اقبال کے شائقین کے دلوں کو گرماتا رہا ۔ صوفی صاحب کچھ عرصہ ریڈیو پاکستان سے بھی منسلک رہے اور یہ فریضہ سرانجام دیتے رہے ۔

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں صوفی صاحب نے ان شرحوں میں علامہ اقبال کے فلسفے ، پیغام اور شاعری کے مرکزی پہلوؤں پر بخوبی روشنی ڈالی ہے ۔ اس کی وضاحت ایک تشریح کے اقتباس سے پیش کرتا ہوں :

''مسلماں کے لہو میں ہے سلیقہ دلنوازی کا
مروّت حُسنِ عالمگیر ہے مردانِ غازی کا

''اقبال کا یہ شعر 'جاوید نامہ' کی ایک غزل کا مطلع ہے ۔ یہ غزل کابل میں لکھی گئی تھی ۔ چنانچہ شاعر نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جس سے اس شعر بلکہ پوری غزل کی شانِ نزول پڑھنے والے کے سامنے آ جاتی ہے ۔

''دینِ اسلام کو کسی زاویہ' نظر سے بھی دیکھیں ایک بنیادی نکتہ ضرور سامنے آ جاتا ہے اور وہ سلامت روی ہے جس کی بنا پر اس دین کو اسلام کا نام دیا گیا ہے ۔ یہ سلامتی کی راہ انسانی زندگی کے لیے مشعلِ ہدایت ہے اور منزل بھی ۔

''جب کبھی بھی کوئی نئی بات کہی جائے تو وہ کتنی ہی معقول کیوں نہ ہو ابتدا میں کھٹکتی ہے اور انسانی طبیعت ادھر راغب نہیں ہوتی ۔ اس لیے بات کہنے والے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ بات میں جذب و

کشش پیدا کرے ، اس میں دلنوازی پیدا کرے ۔ داوں کو موہ لینا ہی لوگوں کو اپنی بات سننے پر آمادہ کرتا ہے ۔

''دشمنانِ اسلام نے ہمیشہ اس بات کا اعلان کیا کہ یہ مذہب تلوار سے پھیلا ہے ۔ اُنھوں نے لفظ شہید اور لفظ غازی کی طرح طرح سے تاویلیں بھی کیں ۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کی سب سے بڑی شمشیر اس کے پیروؤں کی دل نوازی تھی ۔ ان کے منہ سے نکلے ہوئے بول دلوں میں اُتر جاتے ہیں ، اُن کا انسانوں سے برادرانہ انداز اور شفقت سے ملنا ان کے دلوں کو مسخر کر لیتا تھا ۔ یہی اُن کی فتح مندی کا سب سے بڑا راز تھا ۔ اگر اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہوتا تو ہند کی سرزمین میں اچھوت اور کمزور ہندو فرقوں کا آج وجود نہ ہوتا ۔ مسلمان حکم رانوں نے یا تو یہاں کے باسیوں کے ساتھ برابر کی جنگ لڑی اور یا پھر دلنوازی سے انھیں اپنا ہمنوا بنا لیا ۔''

یہ اقتباس جس کتاب سے لیا گیا ہے اس کا نام ''صد شعرِ اقبال''[۷] ہے ، جو علامہ اقبال کے جشنِ صد سالہ کے سلسلے میں مرکزی اُردو بورڈ کی زیرِ نگرانی چھپ چکی ہے ۔

صوفی صاحب کی علامہ اقبال پر ایک اور کتاب[۸] یعنی اس سلسلے کی دوسری جلد زیرِ ترتیب ہے جو عنقریب قارئین کے سامنے آ جائے گی ۔

صوفی صاحب کی علامہ اقبال پر دوسری کتاب ''سرا پردۂ افلاک'' ہے جو نہایت محنت اور کاوش کے بعد لکھی گئی ہے ۔ یہ کتاب بھی علامہ اقبال کے جشنِ صد سالہ کے سلسلے میں منظرِ عام پر آئی ۔ ''سرا پردۂ افلاک'' ''جاوید نامہ'' کا اُردو ترجمہ ہے ۔ صوفی صاحب اس کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں :

''سرا پردۂ افلاک' مکمل 'جاوید نامہ' کا لفظی ترجمہ نہیں بلکہ اس

۷۔ ''صد شعرِ اقبال'' اقبال کا ایک شعر کی تشریحات کا مجموعہ ہے ۔ یہ کتاب مارکیٹ میں دستیاب ہے ۔ اس کتاب میں اُردو اشعار کی تشریح موجود ہے ۔

۸۔ یہ کتاب میری زیرِ نگرانی زیرِ ترتیب ہے ۔ یہ فارسی اشعار پر مبنی ہوگی ۔

شاہکار کی ایک مختصر سی متحرک تصویر ہے جو آزاد اسلوبِ بیان سے خود بخود نمودار ہوئی ہے۔ اس میں مولاناے روم فارسی میں گفتگو فرماتے ہیں۔ سوائے چند ایک ناگزیر مرحلوں کے اقبال کے تمام افکار کو اُردو کا جامہ پہنا دیا گیا ہے اور انھیں نظم کے روپ میں ڈھال دیا گیا ہے۔ اس آزاد ترجمے کے نظمی خط و خال تمثیلی منظر کے مزاج کے مطابق بدلتے چلے جاتے ہیں اور اصل کتاب کی طرح نئی نئی شکلیں اختیار کرتے ہیں۔''

کتاب میں سے چند اقتباس پیش کرتا ہوں :

اقبال : میں نے کیا دیکھا سنا سکتا نہیں
یہ فسانہ لب پہ آ سکتا نہیں
میں نے کیا دیکھا کہ اک دریائے خوں
ایک طوفاں اندروں ، طوفاں بروں
موجِ خوں جس طرح قلزم میں نہنگ
موجِ خوں درندہ مانندِ پلنگ
بحر سے ساحل کو کیا ملتی اماں
واں تو ساحل بھی تھا اک موجِ رواں
ایک کشتی اُن سے ٹکراتی ہوئی
ڈگمگاتی اور بل کھاتی ہوئی
اور کشتی میں دو مردِ زرد رو
زرد رو ، عریاں بدن ، آشفتہ مو

راوی : آسماں شق ہوا
ایک حورِ زمیں ، مہ لقا ، مہ جبیں
روئے روشن سے پردہ اُٹھاتے ہوئے

جلوہ افگن ہوئی
تھی جلو میں لیے
سرمدی ناز کی ، نور کی ، اک فضا
اس کی آنکھوں میں سرمستیِ لم یزل
اور زیبِ بدن

حلۂ ریشمین
جیسے ابرِ سبک لہلہاتا ہوا
تارِ رگِ برگِ گل سے بھی نازک بہت
حُسن و خوبی کے با وصف
محکومیوں کے سلاسل میں بند
اس کے لب پر فغاں
اس کا دل دردمند
پیرِ رومی نے دیکھا تو کہنے لگے ۔

یہ تھے ''سرا پردۂ افلاک'' میں سے اقتباسات ۔

صوفی صاحب مرحوم کی علامہ اقبال پر ایک اور کتاب جو جشنِ صد سالہ کے سلسلے میں شائع ہوکر ہمارے سامنے ہے وہ ہے ''نقشِ اقبال'' ۔ یہ علامہ اقبال کے فارسی کلام کا پنجابی ترجمہ ہے ۔ چنانچہ اس کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں :

''اوّل تو احباب کا اصرار تھا کہ اقبال کے فارسی کلام کا پنجابی میں ترجمہ ہونا چاہیے کہ اُن کی ساری عمر اس سرزمینِ پنجاب میں گزری ۔ اس کی زبان پر بھی اُن کا کچھ حق ہے ۔ میری یہ خطا کہ میں اُن کی دو چار نظموں کو پنجابی قالب میں ڈھال چکا تھا جو دوستوں کو پسند آئی تھیں ۔ خیال تھا کہ چند ایک نظمیں اور ہو جائیں گی لیکن اقبال کے جشنِ صد سالہ سے اُن کی تعداد سو تک پہنچ گئی ۔ اس کٹھن کام کی تکمیل میری کہنہ مشقی کا نتیجہ نہیں ، علامہ مرحوم کی محبت اور عقیدت کا کرشمہ ہے ۔''

''نقشِ اقبال'' سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں :

محاورہ مابین خدا و انسان

خدا

جہاں را ز یک آب و گِل آفریدم تو ایران و تاتار و زنگ آفریدی
من از خاک پولادِ ناب آفریدم تو شمشیر و تیر و تفنگ آفریدی
تبر آفریدی نہالِ چمن را قفس ساختی طائرِ نغمہ زن را

خدا تے انسان دی گفتکو

خدا

میں مٹی دی اک مٹھی توں ایہہ جہان بنایا
ایس جہان تے توں توران ، ایران تے زنگ بنا لئے
میں ایس خاک دے وچوں خالص لوہیا کڈھ لیا
توں تلوار ، کٹار ، ہتھوڑے تیر تفنگ بنا لئے
گھڑ کے اک کھاڑی باغ دے رُکھ نسوں وڈ گرایا
پنچھی دا ساہ گھٹن کارن پنجرہ چُک بنایا

آپ نے دیکھا کہ اقبال ایسے عظیم مفکر اور فن کار کا کلام صوفی صاحب نے کتنی محنت اور کاوش سے پنجابی میں ترجمہ کیا ہے ۔ اس کام سے صوفی صاحب کی محبت اور لگن کی عکاسی ہوتی ہے جو وہ علامہ اقبال سے رکھتے تھے ۔

صوفی صاحب مرحوم نے علامہ اقبال پر تیسری کتاب ''انتخابِ کلامِ اقبال'' تحریر کی ہے جو جشنِ صد سالہ کے سلسلے کی تیسری کڑی ہے ۔ اس کتاب میں صوفی صاحب نے علامہ اقبال کا چیدہ چیدہ اور نہایت اہم کلام شامل کیا ہے ۔ صوفی صاحب دیباچہ میں رقم طراز ہیں :

''اقبال کا کلام اس کے افکار کی وجہ سے بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکا ہے ۔ اس وقت اقوامِ عالم ایک ذہنی اضطراب میں مبتلا ہیں ۔ اقبال تمدنی اور روحانی انقلاب کا پیغامبر ہے ۔ اس لیے اس کے کلام اور افکار کے مطالعے کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے ۔ موجودہ مصروف زندگی میں اس کے ضخیم مجموعۂ کلام کو پڑھنے کے لیے اتنا وقت نہیں ۔ یہ انتخاب بڑی حد تک کارآمد ثابت ہوگا ۔''

صوفی صاحب نے مجتبیٰ مینوی کی کتاب (جو علامہ اقبال پر لکھی گئی) کا بھی ترجمہ کیا جس کا نام ''اقبال لاہوری'' ہے ۔

صوفی صاحب نے علامہ اقبال کے قطعات اور رباعیات کی تشریح بھی کی جو الگ میرے پاس محفوظ ہے اور کسی مناسب وقت پر انھیں اشاعت کے لیے دیا جا سکتا ہے ۔ بہرحال یہ تمام کام صوفی صاحب نے جس محبت

اور لگن سے کیا ہے ، اسی محبت اور لگن سے ان تمام تحریروں کو یکجا کرنے کا ہے ۔

صوفی صاحب نے علامہ اقبال پر ایسی نظمیں لکھی ہیں جو اُن کی محبت اور عقیدت کی ترجمان ہیں جو وہ علامہ اقبال سے رکھتے تھے ۔ یہ نظمیں ابھی غیر مطبوعہ ہیں ۔ ان نظموں کو نمونے کے طور پر پیش کرتا ہوں :

سُونی سُونی تھی پڑی ارضِ کہن برسوں سے
مضمحل سے تھے در و دشت و دمن برسوں سے
ایک سناٹے میں ڈوبی تھی فضائے گردوں
اک روش پر تھا زمانے کا چلن برسوں سے
نہ کہیں گل ہی مہکتا نہ چٹکتی تھی کلی
ایسے ویران تھے ایوانِ چمن برسوں سے
دم بخود سی نظر آتی تھیں حسیں آوازیں
سخت افسردہ تھی دنیائے سخن برسوں سے
بزم بے سوز تھی ، خاموش تھے نغماتِ ہنر
بجھ چکا تھا شررِ شوخیٔ و فن برسوں سے

* * *

''نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد
حُسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد''
اس کے آتے ہی اُمنگوں کی فضا جاگ اُٹھی
آرزوؤں کے مچلنے کی ادا جاگ اُٹھی
اس کی آواز سے پھر زیست کا نغمہ اُبھرا
ہر رگِ ساز میں اک تازہ نوا جاگ اُٹھی
رہ چلا کہ کھلیں راہروؤں کی آنکھیں
کارواں چونک پڑا ، بانگِ درا جاگ اُٹھی
ذہنِ انساں میں چمکنے لگا پیمانِ ازل
شوق بیدار ہوا ، خوئے وفا جاگ اُٹھی
پھر دمکنے لگا خورشید کا روئے تاباں
پھر سے سوئی ہوئی کرنوں کی ضیا جاگ اُٹھی

آتشے در دلِ افسردۂ ما ریخت و رفت
جانِ تازہ بہ تنِ مردۂ ما ریخت و رفت

یہ تھیں علامہ اقبال پر چند نظمیں ۔ صوفی صاحب پاکستان کے کئی علمی ادبی اداروں کے صدر رہے ۔ وہ پاکستان آرٹ کونسل کے صدر تھے، اقبال اکادمی کے نائب چیئرمین رہے اور فوت ہونے تک یہ فریضہ سرانجام دیتے رہے ۔ علامہ اقبال کے جشنِ صد سالہ کے سلسلے میں جو نمایاں خدمات سرانجام دی گئیں ، ان میں صوفی صاحب کا نام سرِفہرست ہے ۔ اس جشنِ صد سالہ کے سلسلے میں جو تصنیفات بھی معرضِ وجود میں آئیں اُن کو نکھارنے اور وضع قطع نکالنے میں صوفی صاحب کا بڑا ہاتھ ہے ۔ صوفی صاحب کا یہ کام ایک عظیم علمی جہاد ہے ۔ اُنھوں نے جشنِ صد سالہ کے سلسلے میں اَن تھک کام کیا اور آخر وقت تک اُسی لگن اور عقیدت سے اپنا فریضہ سرانجام دیتے رہے ۔ اُن کی یہ لگن علم و ادب کے میدان میں یقیناً قابلِ داد ہے اور ہمیشہ تحسین کی نظروں سے دیکھی جائے گی ۔

صوفی صاحب کے فوت ہونے کے بعد پنشنرز ایسوسی ایشن نے علامہ اقبال میڈل دیا جو میرے پاس دیگر میڈلوں کے ساتھ محفوظ ہے ۔

آخر میں میں یہ بات بڑے وثوق سے کہوں گا کہ علامہ اقبال پر آئندہ جو بھی تحقیق کی جائے گی ، اس سلسلے میں صوفی صاحب مرحوم کی ان تصنیفات کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگی ۔